نظامِ سماوی کے بے نظیر فطری قوانین

از مولوی عبدالحکیم اعظمی متعلم دار الحدیث رحمانیہ جماعت ہشتم

(۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی قوانین کی وضع انسانی دماغ سے فطرتِ انسانی پر زبردست بدنما دھبہ لگا دیتی ہے۔ انسانی نفوذ کی پہلی ہی کڑی پر بشری وضع کردہ قوانین جبال نما غیر معمولی صعوبتیں لا کھڑی کر دیتے ہیں۔ آپ آئینۂ تاریخ میں دیکھیں گے کہ مادیات کے اس بے باک پجاری نے جب بھی کسی انسان خودنما سپہ گیر کی آئین سازی میں جوں جوں اپنا قدم بڑھایا منزلِ مقصود بھی اپنی رفتار اتنی ہی تیز کرتی گئی کہ بالآخر کامگاری سے ہاتھ دھو کر ندامت کے آنسو رونے پڑے۔ بڑے بڑے اہلِ دماغ اپنے جذبۂ قیادت میں جھنک کر اُٹھے اور انسانی زندگی کے قوانین مرتب کرنے میں عرق ریزیاں کیں پھر دعویٰ بھی کیا کہ آج تک جتنے کتبے و دفاتر اپنے اصول پیش کرتے رہے ہیں وہ سارے کے سارے اس جدید لٹریچر کے آگے ناقابلِ عمل و باطل ہیں۔ لیکن خود اسی مدعی کی آنکھ اور پھر زمانہ کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ اگر اس کے وضع کردہ قوانین کا ایک پہلو ضابطۂ انسانی کے باب میں بہترین نمونہ پیش کر رہا ہے تو اسی کا دوسرا پہلو انسانی فطرت سے ٹکرا جاتا ہے۔

اپنے دورِ عروج میں اٹلی کی ہر یونیورسٹی اپنے در و دیوار پر فسطائیت کے اصولِ عشرہ آتشیں حروف میں پیش کرتی تھی۔ جن میں سب سے پہلا اصول یہ ہوتا تھا کہ مسولینی مجسمۂ قوانین ہے، مجموعۂ قوانین ہے، اس کا ہر لفظ قانون ہے اور پھر دو قدم آگے بڑھ کر یہ کہ طریقِ سداد کی رہنمائی میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ المانیہ میں ہٹلر کے پوجنے والے اس کے ہر حیا سوز اشارے کو قانونی لبادہ پہنا کر اپنے وردِ خاص میں شامل کر لیتے تھے اور پھر نظریں چڑھا کر یہ جرأت بھی کہ ہٹلر کے ہر اشارے پر ناچنا اس کے قانون کو واجب النفاذ سمجھنا مذہبی دیانتداری ہے۔

لیکن ان عقل کے اندھوں نے مقنن و ڈکٹیٹر کی حیثیت سے یکسر بے اعتنائی برتی کہ دل کے اندھوں، ہویٰ و ہوس کے ماروں پر یہ خطاب تھوپ دیا۔ ڈکٹیٹرشپ کا معنی یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کے سلسلۂ قانون کا آخری بے لوث تار سمجھا جائے جس کا ہر لفظ قانون ہو اور وہ خود قانون سے بالاتر۔ سٹالن اپنی کتاب لینن میں کہتا ہے کہ ”ڈکٹیٹر کے معنی ہیں قوت، غیر محدود قوت، ایک قاہرہ قوت جو خود آئین و دستور سے ارفع ہو اور اس کا ہر لفظ قانون ہو“ سٹالن کے قول کے معنی یہی ہیں کہ یہ حضرات پہلے اپنی عبقریت یعنی عام سطحِ انسانی سے اپنے بلند و بالاتر ثابت کرتے پھر وضعِ قانون میں دخل اندازی کرتے کیونکہ ڈکٹیٹرشپ کے لئے ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے کہ

نظام آئین و دستور میں سب سے اوپر کی کڑی ثابت ہو کسی کی مطیع و فرمانبردار نہ ہو۔ ان سب کے اندر روحانی نقص اور قلبی پژمردگی تھی۔ جس کے باوجود انھوں نے قانون سازی کا منصب سنبھالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان شیطانی ایجنٹوں کے قوانین اور ان کی وحشت انگیز حرکتوں نے اصلاح و فلاح تو درکنار فطرتِ انسانیہ کے نورانی ماتھے پہ ناقابلِ محو دھبہ لگا دیا جسے یورپ کے عناصر کبھی معاف نہیں کر سکتے۔

لیکن آیئے اس کے برعکس ایک ایسا نظام بھی دکھلاؤں جس کے سلسلۂ قوانین میں کوئی بھی کڑی ایسی نہیں جو خود سر اور احاطۂ اطاعت سے باہر ہو۔ ایسا نظام کہ عوام تو درکنار اس نظام کے اعلیٰ مبلغ بھی اپنے سے عالی ذات کی طرف رات و دن احتیاج قانون ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ کہیں پائے تبلیغ میں لغزش نہ آ جائے۔ ایسا نظام جس میں وہ ذاتِ عالی صفات جس کی فوقیت عام سطحِ انسانی پر مسلم ہے اپنے اندر ذرہ برابر بھی مجالِ سرتابی و یارائے سرکشی نہیں پاتی۔ یہی ہے قانون خداوندی و نظامِ سماوی جس کی بندش میں کائنات کا ایک ایک ذرّہ اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ ایک سیکنڈ کی عدولی حکم میں کائنات کا نظم و نسق بدل جائے، زمین پھٹ کر دہانوں سے پانی ابلنے لگے۔ آسمان کے ٹکڑے اڑنے لگیں۔ سمندر خشک ہو جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نظام سماوی و قانون خداوندی میں سرورِ کائنات رسالت مآب شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حیثیت ہے۔ معاصی سے پاک و صاف آپ ہیں شاہد و مبشر، داعی الی الحق آپ ہیں شافعِ محشر، سراج منیر آپ ہیں احمد و حبیب آپ ہیں۔ . . . . لیکن نظامِ سماوی کے قانون محکم دیکھئے کہ آپ کو بھی ڈکٹیٹر شپ اور قانون ساز کا خوف و بیم اس قدر کہ قبل از وقت ضعف و پیری کی وجہ دریافت کرنے پر فرماتے ہیں "نظامِ خداوندی کے مکمل ایڈیشن (قرآن) کے چند دفعات (چند سورتوں) نے میری یہ حالت کر دی جو تم دیکھ رہے ہو" اسی قسم کا خوف و ہراس دیکھ کر صحابہ تعجب سے کہا کرتے تھے کہ آپ کو تو کونین کے امتحان میں کامیابی کا سارٹیفکٹ مل چکا ہے پھر کیا ڈر؟ لیکن آپ جواب میں اپنی عاجزی و بے مائگی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں فرماتے تھے۔

سماوی و ارضی نظام میں بڑا فرق ہے، صد درجہ کا تفاوت ہے۔ ارضی قانون آنکھ کے بینا کو بینا تصور کر کے حکم لگا دیتا ہے اور سماوی نظام آنکھ کے بینا کو اعمیٰ کا مرتبہ دے کر قلبی بصارت کا جائزہ لیتا ہے۔ ارضی نظام کا نتیجہ حیوٰۃ انسانی کے لئے ایک شعلہ بار آگ سے کم نہیں جس کے شعلے جسم کو نہیں دلوں کو لپیٹ رہے ہیں انسانی وضع کردہ قوانین ہی کا نتیجہ ہے کہ ربع مسکون کے دو تہائی حصوں میں شرفِ انسانیت وحشت و بربریت کے پروان چڑھائی جا رہی ہے جو اہلِ خرد کے لئے ایک زبردست عبرت ہے۔

ان دونوں نظاموں کے مطلع امتیاز صاف و روشن کرنے کے لئے چند قانونی عنوانات قائم کر کے بتلانا

چاہتا ہوں کہ ان بنیادی قوانین کے نفاذ میں دونوں کا طریق کار کیا ہے۔ اور یہ کہ فطرت انسانی قانون کے کس رخ کا قصد کرتی ہے۔ ملاحظہ ہوں وہ بنیادی امور۔

حکومتِ ارض

حکومت و سلطنت ہی ایک ایسا بنیادی امر ہے کہ جس کے لئے دنیا کا ہر شخص طوعاً و کرہاً اپنی گردن کٹا دینے میں پس و پیش نہیں کرتا۔ اہل عالم کی خونیں داستانیں ساری کی ساری اسی محور کے گرد و پیش چکر لگا رہی ہیں۔ ہر ملک کے باشندوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ سے یہی خیال کارفرما رہا ہے کہ اگر ہمارے زیر نگیں کوئی خطۂ ارض نہیں تو ہم بے جان لاشہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ جذبۂ حکومت سب سے پہلے جماعت کے اعلیٰ دماغ ڈکٹیٹر کے دل میں رواں دواں ہوتا ہے۔ اور پھر عوام پر حاوی ہو جاتا ہے۔ پیشوا اٹھتا ہے عوام کو بھی اٹھاتا ہے۔ اور اپنی شیطنت و غارتگری کی دھاک بٹھا کر ملک پر قبضہ جما لیتا ہے۔ مقصد کیا ہے؟ مقصد صرف ایک ہے زمین کا مالک بن بیٹھنا اور بس۔ اب قوانین و آئین سازی کی باری آتی ہے تو سب سے پہلے اس چیز کی تثبیت ہوتی ہے کہ اس ملک کی ملکیت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اس کا خود مختار فرمانروا ہوں۔ اس لئے میرے ہی وضع کردہ قوانین مقبول عوام ہونے چاہئیں اور اباً عن جدٍ پشت در پشت خاندانی ملکیت قائم ہوتی رہے گی۔ لیکن اس بے وقوف حاکم کو اتنا معلوم نہیں کہ انسان تو درکنار حیوانات میں سے بھی ایک حیوان دوسرے ہم جنس حیوان کی حکومت قبول کر کے اس کے ماتحت رہنا اپنی موت سمجھتا ہے تو انسان کا دماغی فروغ تو اس سے بدرجہا بالاتر ہے وہ کیسے ایک انسان کے پنجے میں اپنی چوٹی کو دیکھ کر چین کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جذبۂ خودی میں ہر ممکن سیلاب بہانے کی سعی پیہم میں ایام و لیالی کے ہر ہر سیکنڈ کو بڑی شدت کے ساتھ گذاریگا۔ اس کی کوشش حتی الامکان یہی ہوگی کہ کون سے کوہ آتش فشاں کے ایسے آتشیں صخرے اس حکومت پر برسا دوں جس کی سوزش میں سارے کے سارے جل بھن کر ذرۂ خاکستری بن جائیں۔ یقین جانئے کہ خدا کی زمین پر ذاتی ملکیت، شخصی قبضہ ہی ساری خلفشاریوں کا مبدء اور ساری دردناک روئدادوں کا مطلع ہے۔ اگر تعجب ہو تو یورپ کی شخصی حکومتوں کے در و دیوار سے اپنے حق میں شہادت لے سکتا ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت ارض کے بارے میں نظام فلکی کے پلیٹ فارم سے کیا آواز آتی ہے۔ ہوش میں آیئے یہ نظام ذاتی ملکیت و شخصی حکومت کا قائل نہیں۔ ملاحظہ ہو اس کی امن پسندی و وسعت نظری۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اعراف آیت ۱۲۵) تحقیق امر ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زمین کی وراثت دیدے۔ یہ روحانی نظام نہیں چاہتا کہ کوئی شخص زمین کا مالک بن کر اس کے کونے سمیٹ لے اور دوسرے بندے ایک گز وہ زمین کے واسطے ترس کر جرات خمیدہ

اور چلچلاتی دھوپ کی تپتی ہوئی ریت میں اپنی جان کھپائیں۔ یہ پاک و فطری نظام نہیں کہتا کہ اس زمین پر کابراً عن کابر ملکیت کا سلسلہ دراز ہو۔ بلکہ جس طرح قوت کا دروازہ ہر شخص کے لئے یکساں کشادہ ہے جو چاہے اپنی محنت کے مطابق حاصل کرلے کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسی طرح اس زمین کو بھی مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کہہ کر ہر کس و ناکس کی محنت و مشقت کے مطابق استمتاع و انتفاع جائز رکھا یہی نظریۂ نظامِ سماوی ہے جس نے اپنے ماننے والوں کے دل میں کبھی بھی طلبِ حکومت کی طرف اقدام کا جذبہ پیدا ہی نہیں کیا۔ اگر قدم اُٹھتا ہے تو منظورِ نظر شخصی ملکیت و انسانی قوانین کے گلے پہ خنجر چلانا اور اس کی جگہ منزّہ عن المادیات قدرت اور اُس کے جلال و جبروت کا قائل کرنا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر فتح و ظفر کی مسرت و شادمانی پہنچتی ہے تو ایک چھوٹے سے سپاہی سے لے کر سپہ سالارِ اعظم تک برابر۔ اور اگر رنج و غم کی وجہ سے کسی ایک آنکھ میں اشک کا ایک قطرہ آتا ہے تو چھوٹے سے لے کر بڑے تک کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر عنایتِ خدا نے فتح دی تو ان سب کے حصے برابر برابر کے ہیں اور اگر تصویر کا دوسرا رخ سامنے آیا تو ناکامی و حرمانی میں ہر ایک یکساں شریک۔ اس نظامِ سماوی نے حکومت ارض کے قانون کو اس طور ہموار و استوار بنایا کہ وراثت کے بارے میں کشت و خون کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ اگر کوئی وارثِ ارض حصول وراثت کے بعد راہِ صواب سے بھٹک کر خود سر ہو جائے، کبر و نخوت کی گردن بلند کر دے، یا قانون سازِ عالم کے کسی دفعہ پر خطِ نسخ چلا دے، اس کی رضا کے خلاف کوئی حرکت کرے تو جھٹ ایسے دفعات کو زیبِ دفتر بنا دیتا ہے جو کہ سرکشوں کے لئے بے پناہ طوفانِ ہلاکت کا کام دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ایسے لوگوں کے لئے اس نظام کا نذرانہ پیغام اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (اعراف ت ۹۸) ۔ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات ظہور میں نہیں آئی جو بعد میں ملک کے وارث بنتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو گناہوں کی پاداش میں ان سب کو ہلاک کر دیں۔ ان کے دلوں پر مہر کر دیں جس سے قلبی گوشِ ہوش جاتا رہے؟

دوستو! حکومتِ ارض کا یہ نظریہ و طریق کار نظامِ سماوی کے علاوہ اور کسی نظام میں نہیں مل سکتا۔ انسانی خداؤں کے وضع کردہ قوانین کو لاؤ۔ یورپ کے مسلّم ڈکٹیٹروں کے دفعات ٹٹولو۔ پھر اپنی زبان پر مہر کر دو اور دل سے جواب لو کہ یہ نظامِ خداوندی حکومتِ ارض کی بابت فطرتِ انسانی سے اُنس و لگاؤ ظاہر کرتا ہے یا انسانی و ارضی نظام؟

دولت و ثروت

انسانی نظام میں آپ دیکھیں گے کہ دولت و خزینہ پہ کوئی ضابطہ و قانون مقرر نہیں۔ انسان اپنی زندگی میں جس قدر چاہے سونے و چاندی کے انبار لگا سکتا ہے۔ اگر دفائن و خزائن اس نے اپنے ہاتھ

سے حاصل کیا ہے تو اس کے ہاتھ سے کسی فرمانروا کا کوئی قانون چھین نہیں سکتا۔ اگر چاہے تو ایک ہزار روپیہ روزانہ عیش و معیشت، رقص و سرود یا دنیا کی کسی اور لطف اندوزیوں میں صرف کرے اس کے لئے اجازت ہے۔ اور اگر چاہے تو ایک پیسہ نہ خرچ کرے اس پر کسی کا جبر نہیں۔ اس کے لئے اختیار ہے وہ خود مختار ہے۔ اسی مطلق العنانی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں جس قدر زر و جواہرات کے خزینے موجود ہیں، جس قدر نقود و غیر نقود انسان کے ہاتھ پر دن و رات ناچتے رہتے ہیں آج سے قبل کسی زمانہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ لیکن ازمنۂ سابقہ میں باوجود اس قلتِ مال کے کسی متنفس انسان کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ بھوک افلاس نے اس کی سانس کا خاتمہ کر دیا۔ اور نہ کوئی جانتا ہی تھا کہ بھوک کی وجہ سے انسان کی جان چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس آج باوجود مال کی فراوانی کے نکبت و افلاس میں سانس توڑنے والوں کی تعداد شمار کرتے کرتے لوگوں کی زبانیں تھک کر جواب دے چکی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ صرف یہی ہے کہ ازمنۂ سابقہ میں نظامِ سماوی کا دولت و ثروت پر حکیمانہ قانون امیر و غریب کو زندگی کے زینوں پر ساتھ ساتھ چڑھاتا تھا۔ وہ شخص جس کے ہاتھوں میں بیت المال کی کنجیاں موجود تھیں نادار و بے مایہ کی زندگی بسر کرتا تھا۔ رسول پاک کا سچا جانشین امیر المومنین بھوک سے تنگ آ جاتا ہے۔ انتڑیاں خشک ہو کر تسبیح خوانی کر رہی ہیں لیکن خشک روٹی کا ایک لقمہ بھی اس وقت تک اپنے منہ میں نہیں ڈالتا جب تک اسے کامل یقین نہیں ہو جاتا کہ ہر فردِ رعیت پیٹ بھر کھا کر اپنی نفس کو آسودہ کر چکا ہے۔ انسانی وضع کردہ قوانین میں سے بعض قانون غربا پروری کے باب میں کچھ ناطق بھی نظر آتے ہیں تو ایسی سست و دھیمی آواز میں کہ مغرور و سرکش کے کان ذرا بھی اثر پذیر نہیں ہوتے۔ اگر کوئی انسانی اصول دولت کے بارے میں تختۂ حکومت پہ کندہ ہے تو اُس کے الفاظ زوردار نہیں۔ کوئی خاص ضابطہ نہیں جس کے ماتحت معدودے افراد کی نگرانی میں امراء سے منتقل کر کے غربا تک پہنچا دیے جائیں۔

لیکن نظامِ سماوی نے مالداروں سرمایہ داروں کو سخت و شدید فولادی شکنجوں میں اس سختی کے ساتھ جکڑ دیا ہے کہ ایک قدم بھی حدِ محدود سے باہر ہونے کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس نے دولت و ثروت پر اس طور پابندی عائد کرنے میں شدت و بیدار مغزی سے کام لیا کہ ارکانِ اسلام میں رکنِ اول "صلوٰۃ" کے بعد دوسرا رکن اسی قانونِ دولت کو ٹھہرا دیا۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ قانون ساز نے جوں ہی اس فریضہ سے تکاسل کی آہٹ پائی تو جھٹ المناک و ہلاکت خیز عذاب سے ڈرایا کہ "کنوز و دفینے کے پجاریوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی سونے چاندی جن کی حفاظت و صیانت میں راتوں کو انجم شماریاں و شب بیداریاں کرتے ہو تمہارے لئے تپتی ہوئی آتشیں سلاخوں کا کام دیں گے جن سے تمہاری پیشانیاں داغ دی جائیں گی۔ اس لئے مال کے اخراج میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔"

فطرت کا یہ قانون بڑے بڑے جبابرہ کی گردنوں پر حباب کبر کی طرح سوار ہو کر اپنا مطیع و فرمانبردار کرنے میں کسی قدر کم نہ تھا۔ دولت و ثروت کے باب میں نظام سماوی کی یہ شعر بیانی ہی لوگوں کے دلوں کو گرما دینے میں کافی و وافی تھی۔ لیکن قربان جائیے اس کی محکم و مضبوط غربا نوازی پر کہ نظریں تیز کر کے حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی فرعونی دل و قارون منش اس پابندی سے ہچکچا جائے تو تم قوتِ بازو سے وصول کرو۔ جہاد کر کے حاصل کرو۔ وہ شخص نظام سماوی کے بدرِ منیر کو داغدار کرنا چاہتا ہے۔ فطرت کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ باطل کا پجاری ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفۂ اوّل نے مانعینِ زکوٰۃ پر وہ جبر و تشدد کرنے کا عزم فرمایا کہ سارے صحابہؓ صدیق اکبرؓ کے شرحِ صدر کی داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اور آگے چل کر دولت ثروت کے بارے میں نظام خداوندی کی کشادہ پیشانی دیکھئے کہ اس فرض کے علاوہ عام خیرات کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ اگر ضرورت مجبور کرے تو حاجت سے زیادہ جو کچھ موجود ہو وہ سب انفاق و ہمدردی بے مائگاں کے بھینٹ لگا دیا جائے۔ ملاخطہ ہو اس کا فرمان یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ آیت ۲۱۶) خرچ کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہئے کہ ضرورت سے زائد سب خرچ کر دو۔ دولت کی تقسیم کا سبب کس محبوب ترین الفاظ میں پیش کیا ہے کہ دولت کے معنی ہی گردش کے ہیں، دست بدست ہونے کے ہیں۔ نہ کہ کوئی شخص سانپ بن کر خزانوں پر جم جائے اور سارا مال سمیٹ لے۔ فرماتا ہے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (حشر آیت ۷) روپیہ کی گردش اس انداز سے مت کرو کہ امراء کے طبقہ ہی میں چکر لگاتا ہے بلکہ اس میں سے غرباء کے لئے بھی حصہ لگانا ضروری ہے۔

حضرات! نظامِ سماوی کی یہی سب شعاعیں ہیں جن کی تابانی میں چلنے والا کبھی نانِ شبینہ سے محتاج نہیں ہوا۔ اس نظام نے قریٰ و دیہات کے ہر باشندے کو یکساں دولت پہنچائی۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین یورپ نے اسلامی تاریخ کو کھنگالا لیکن تاہنوز نکبت و افلاس میں دم توڑنے والوں کا سراغ نہیں ملا۔ اب زمانہ آیا کہ انسانی وضع کردہ قوانین کے رواج نے انسانیت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے جس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

طاقت و قوت

طاقت ایک ایسی چیز ہے جو دولت کے دوش بدوش چلتی رہتی ہے دولت کے لئے طاقت و قوت کا ہونا ضروری ہے۔ دولت بغیر قوت کے نہیں پنپ سکتی۔ جس طرح دولت کے تکاثر و فراوانی کی وجہ سے آج دنیا جہنم زار بنی ہوئی ہے اسی طرح قوت نے بھی آج اقطارِ عالم میں ایک حشر برپا کر دیا ہے۔ میں نہیں کہتا۔ اور نہ کہہ سکتا ہی ہوں کہ قوت کا وجود ہی ان فتنوں کا باعث ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ قوت دنیوی حیوٰۃ خوشگوار بنانے کیلئے ایک جوہر اعلیٰ ہے جس کا ہر حال میں انسان کے شریکِ حیوٰۃ ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے وجود کی سعادت و عدم سعادت میں ایک دوسرا مہلک عارض کارفرما ہے جو وادیٔ ہلاکت کی طرف کشاں کشاں لے جا رہا ہے۔ وہ ہے طاقت و

قوت کا بے موقع مظاہرہ اور اس کا غلط استعمال۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قوت کے اس غلط استعمال پر کسی کی مشفقانہ نظر پڑ کر اس فتنۂ عظیم کے داعی کا قلع قمع کرنی ہے یا نہیں۔

ارضی نظام اس بارے میں بالکل خاموش نظر آ رہا ہے بلکہ یہ تو قوت کے فتنہ پردازوں کا ساتھ دے کر اس کے غلط استعمال میں معین و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انسانی نظام کے دورِ حکومت میں بڑے بڑے فتنوں کا باب اکثر کھل گیا۔ دنیا کا ہر خطہ جو ارضی نظام کا زیرِ نگیں ہوا اپنی اور اپنے مدمقابل کی قوت کا جائزہ لے کر شیطنت کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اگر میری قوت کا رقبہ ایک سو میل تک پہنچا ہوا ہے تو دس سو میل کے لئے ہاتھ پاؤں کیوں نہ ماروں۔ وہ سوچتا ہے کہ دس کروڑ انسانوں کی ہلاکت و موت کے لئے میری قوت اب تک تو بیس کروڑ انسانوں کے جلنے بھننے کی قوت کا انتظام کیوں نہ کر لوں۔ یہ محض توہمات پر مبنی نہیں محض تخیل ہی نہیں۔ ابراہیم خلیل اللہؑ کے ہمعصر طاغی و باغی نمرود مردود قوت پر بھروسہ کرکے ہمچنیں دیگرے نیست کے خیال میں پڑا۔ اپنے خلاف ایک آواز بھی گوارا نہیں کرتا تھا چنانچہ مخالف کی آواز پر بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا۔ انسانیت کا جنازہ نکال دیا۔ لیکن تف اور ہزار بار تف ہو اس ملعون طاقت پر کہ ایک بے یار و مددگار شخص کا ایک بال بھی بیکا نہ کر سکی۔ اس کے اس قوت کے بے جا استعمال کی داستان اس کی روح پر اب تک لعنت برسا رہی ہے۔ مکہ کے مشرکین نے اپنی جمعیت و قوت کا موضعِ استعمال نہ جانا بیکسوں ناداروں کی ایذا رسانی میں دولت و دن کی قوت صرف کرنے لگے۔ بڑی ہنگامہ آرائیوں کا جال بچھایا۔ قوت کے جنون میں آ کر کمزوروں پہ مصائب و آلام کے پہاڑ ڈھا دئے چنانچہ اگر ایک طرف طائف کی زمین ان کی شیطانی قوت کے غلط استعمال کی شہادت دے رہی ہے تو دوسری طرف شعب ابی طالب کے بے زبان پتھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیفوں کو یاد کرکے رو رہے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ و موسیٰ کلیم اللہ علیہما السلام کو تو ایک نمرود و ایک فرعون کی طاقت و قوت کے غلط استعمال میں گرفتار ہونا پڑا تھا۔ لیکن یہاں تو سینکڑوں نمارده و فراعنہ کا ٹڈی دل اپنی اپنی قوتوں کو لے کر مچل پڑا تھا۔ میرا مقصد ان کی ناکامیابی دکھلانا نہیں ہے فقط ان کی قوت کا بے محل استعمال دکھلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر قوت کا بیجا استعمال کیا ہو سکتا ہے کہ ایک سلطنت کی ساری چکیاں ایک گھن کے پیسنے پر آمادہ ہو جائیں۔

دوستو! یہ سب واقعات ظہور میں آ رہے تھے اور ایک طرف نظامِ خداوندی دبا دبایا خون کے آنسو رو رہا تھا کیونکہ یہ سب نتیجہ تھا نظامِ سماوی کے قانون سے اپنے کو سبکدوش کرنے کا۔ ان وحشی قوتوں پہ کوئی ایسا ضابطہ جاری نہ تھا جو ان کی قوت کو غلط استعمال سے بچا کر فتنہ و فساد کا انسداد کرتا اور سچ پوچھئے تو یہی نہیں بلکہ دنیا کی کسی خود مختار طاقت میں جو ارضی قانون کی پابند ہو وہ اصول نہیں جس کی بندش میں قوت کا بے پایاں دریا محیط ہو جائے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں آپ کو اس نظامِ سماوی کی سیر کرائی جائیگی (باقی آئندہ)